برداشت کا بہت مادہ رکھتے تھے۔

مفتی صاحبؒ اگر خالص علمی مزاج نہ رکھتے ہوتے، تو وہ بھی ہندوستان کے ممتاز مرشدوں میں ہوتے، یا چوٹی کے لیڈروں میں، آپ کے والد محترم حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کے مسترشدین کا حلقہ بڑا وسیع تھا، وہ چاہتے بھی تھے کہ بڑے صاحب زادے اور ممتاز عالم دین ہونے کی حیثیت سے اپنے والد ماجد کی اس گدی پر جلوہ افروز ہوں، اور بیعت وارشاد کی خدمت انجام دیں، مگر مفتی صاحبؒ اس کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہ کر سکے۔ کبھی کبھی فرماتے تھے کہ فلاں خط میں جانا ہوا، تو دیکھا سیکڑوں بوتلیں ہیں جن پر مجھے دم کرنا ہے اور سیکڑوں اشخاص ہیں جو گریباں کھولے ہوئے بیٹھے تھے کہ ان کے سینوں پر پھونک ماردی جائے۔

دہلی میں بھی مختلف کمیٹیوں، اسکولوں، انجمنوں اور مدارس اسلامیہ میں بحیثیت عہدہ دار، اور مشیر شریک رہا کرتے تھے، بات کسی کی کاٹتے نہیں تھے، دہلی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی کفایت اللہ کے بعد آپ کو بڑی مقبولیت عطا کر رکھی تھی، ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"کیا کہوں کاموں کے ہجوم میں گھرا رہتا ہوں اور یہ کام بھی مختلف النوع ہوتے ہیں، جمعیۃ علماء کا کام، الجمعیۃ اخبار کی دیکھ بھال، فتحپوری ہائی اسکول کی صدارت، سنّی مجلس اوقاف کے کام، مدرسہ حسین بخش کی نگرانی، بعض دوسرے عربی مدرسوں اور انگریزی اسکولوں کے کام، آنے جانے والوں کے وقتی اور ہنگامی کام، برہان اور ندوۃ المصنفین کی مکمل ذمہ داری، حالات کی ناسازگاریوں اور تلخیوں کا مسلسل مقابلہ خانگی پریشانیاں، اہلیہ کی علالت کا امتداد، صحت کی کمزوری، اور صلاحیت کار کا فقدان، یہ سب چیزیں کچھ اس طرح جمع ہوگئی ہیں کہ جب کبھی خیال کرتا ہوں فلاں خط کا تفصیلی جواب لکھوں گا۔ بس وہ جواب رہ ہی جاتا ہے۔" (مکتوب ۳۱ جنوری ۱۹۵۵ء)

مفتی صاحب کا تعلق ایک طرف وزیر اعظم ہند سے بھی تھا اور دوسری طرف معمولی معمولی ہم جیسے مولویوں سے بھی، وہ سیاسی کام بھی انجام دیتے تھے اور علمی و دینی خدمت بھی، ندوۃ المصنفین قائم کر کے انھوں نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہے، سیکڑوں معیاری، دینی، تاریخی، تحقیقی کتابیں چھاپ کر شائع کر دینا معمولی کارنامہ نہیں۔

دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء، مجلس مشاورت، مسلم پرسنل لاء بورڈ، سبھی کے مخلص مشیر اور کارکن تھے، عرصہ تک جمعیۃ علماء ہند کے فعّال کارکن رہے، کچھ سال اس کے صدر عالی بھی رہے۔ بلاشبہ مفتی صاحب ہمہ جہتی ذہن و فکر کے مالک تھے۔

اسی کے ساتھ مفتی صاحب باجماعت نماز اور اپنے معمولات کے بہت پابند تھے، خود حافظ قرآن تھے چنانچہ تہجد میں قرآن پڑھنے کا معمول تھا، بڑے لڑکے کو حافظ قرآن بھی بنایا تھا، ابتداء تراویح میں اس کا قرآن بھی سنا کرتے تھے۔ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"شروع رمضان کے روزے کافی ثواب آور رہے، اب موسم بڑی حد تک خوشگوار ہو گیا ہے، بڑے بچہ کا قرآن مجید تراویح میں سنتا ہوں، اپنا نوافل میں پڑھتا ہوں"

(مکتوب ۸ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ مطابق ۲ جون ۱۹۵۲ء)

مفتی صاحب کے یہاں شو اور نام و نمود کا جذبہ قطعاً نہیں تھا، پرانے طرز کے عالم باعمل تھے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہی عبادات کا معاملہ رکھتے تھے اور بس۔ ریاء و سُمعہ کو پسند نہیں کرتے تھے، اور یہ واقعہ ہے کہ عبادت اسی طرح ہونی چاہیے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے، چمن میں دیدہ ور پیدا

خدمتِ افتاء

مفتی عتیق الرحمٰن رضا کی سرگزشتِ حیات کا ایک سنہری باب

مولانا انیس الحسن ہاشمی

مُفتی اور منصبِ افتاء

فتویٰ اسلامی شریعت کی ایک اہم اصطلاح ہے جو کسی معاملہ پر شریعت کی فیصلہ کن رہنمائی اور واجب العمل حکم نامہ کا مفہوم رکھتی ہے۔ ایک مسلمان کے لیے فتویٰ کی قدر و قیمت ـــــ دنیاوی معاملات میں کسی ٹریبیونل کے ایوارڈ یا ہائی کورٹ کے ججمنٹ سے بھی کہیں زیادہ ہوتی ہے اس لحاظ سے 'فتویٰ' صادر کرنے والی شخصیت یعنی 'مفتی' کا مقام و منصب بھی بہت اعلیٰ و ارفع قرار پاتا ہے۔

شب و روز میں پیش آنے والے اُمور و معاملات پر مسئلہ مسائل بتانا ایک بات ہے، لیکن 'فتویٰ' صادر کرنے کے لیے کسی عالمِ دین کو فقہ اسلامی پر بڑی وسیع نظر، دینی احکام، فروع و مبادیات سے کما حقہٗ واقفیت، منشاء شریعت کا پورا شعور اور ساتھ ہی وقت کے تقاضوں

اور انسانی و معاشرتی مصلحتوں کے متوازن احساس کا حامل ہونا چاہیے واقعہ یہ ہے کہ کسی بھی مسلم سماج میں حدود اللہ اور شعائر اسلامی کا تحفظ جن دو ستونوں پر مرکوز و منحصر ہوتا ہے وہ 'خدمتِ افتاء' اور 'خدمت قضا' ہی ہیں۔ اس مختصر تمہید سے 'مفتی' کے مقام و منزلت کا کچھ سرسری اندازہ ہو سکتا ہے۔

.....

فتویٰ نویسی کے لیے دوسری ممتاز علمی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ تحریر و بیان کی لیاقت بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ فتوے کی زبان بہت محتاط، جچی تلی، معیاری اور قانونی ہونی چاہیے اور اس میں مستفتی کے دینی جذبہ اور اس کے مبلغ فہم کی بھی پوری رعایت ہونی چاہیے۔ محض تحکمانہ انداز یا اسلوب تحریر کا بھونڈا پن (جو بے سواد، خود ساختہ مفتیوں کی تحریروں میں اکثر پایا جاتا ہے) فتوے کی قدر و قیمت کو خاک میں ملا دیتا ہے ایسا فتویٰ دینی رہنمائی کی بجائے دسیوں الجھنیں پیدا کر دیتا ہے اور فتوے بازی کا ایک چکر چلنے لگتا ہے۔

یہ بڑی محرومی کی بات ہے کہ آج ہمارے معاشرہ میں (جو دینی معاملات میں کسی اجتماعی نظم اور اتھارٹی سے محروم ہے) ایسے خرخشے آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ معیار و صلاحیت کا سوال ہی درمیان سے اٹھ چکا ہے اور ہر کس و ناکس بے دھڑک اپنے لیے کوئی دینی منصب اور ٹائیٹل خود اختیار کر لیتا ہے۔ جو چاہتا ہے اپنے دروازہ پر "دارالافتاء" کا سائن بورڈ لٹکا کر مفتی بن بیٹھتا ہے یا زیادہ سے زیادہ کوئی ڈرامہ رچا کر ارشاد و امارت کی اڑانیں بھرتا ہوا آفاقِ زر و مال پر